Vol. 6 No.4 2023

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7615

مرزا اطہر بیگ کی ناول نگاری

''صفر سے ایک تک'' کا فکری وفنی جائزہ

نادیہ حفیظ، اسکالر، پی ایچ ڈی (اُردو) نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد۔

ڈاکٹر عارف حسین، وزٹنگ فیکلٹی، وفاقی اُردو یونیورسٹی آف آرٹس، سائنس و ٹیکنالوجی، اسلام آباد۔

Abstract

The novel "Sefar sy ek tak" written by Mirza Athar on the modern technology of cyberspace, which was published in 2009. Before this, one of his novels "Ghulam Bagh" also became famous. Thus, many novels have been written on scientific topics, but " Sefar sy ek tak" is a first of its kind novel written on the subject of Internet and Cyberspace. It is mentioned here that the man wants to connect the whole world and make it his subject. It features two main characters, one of them being Zakullah and Faizan Salar. Zakah Allah wants to capture the mind, heart and soul Fizan Salar by using modern technology and he succeeds in this campaign. He secures the data of Faizan Salar's family and becomes their master and makes them his commander. It is mentioned in the novel that man has always tried to dominate others by controlling their body and mind. In the present era, this desire of man seems to be fulfilled. It is mentioned in the novel that the feudal lords and vaders also make their workers work and also exploit them by putting pressure on them. This novel gives a strong interpretation of the social and political conditions of the present day and age.

Key Words:

Technology Scientific ,Cyberspace ,Characters ,Campaign,Commander Dominate Interpretation Political ,Social

ناول دراصل دورانیہ کے ایسے قصّے کا نام ہے جس میں پورا عہد سانس لیتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کے کردار حقیقی ہوتے ہیں نیز یہ کہ اس میں پلاٹ کا خمیر اصل زندگی سے اٹھایا جاتا ہے۔ پلاٹ کے بغیر کسی بھی ناول کی کہانی کا مکمل ہونا ناممکن ہوتا ہے۔ جب کہانی کے مختلف واقعات ایک منطقی شکل میں ترتیب پا جائیں اور ہر رونما ہونے والا واقعہ گزرے واقعات کا لازمی نتیجہ ہو تو اِسے پلاٹ کہتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو پلاٹ کے حوالے سے مرزا اطہر بیگ کا ناول ''صفر سے ایک تک'' بہت اہمیت کا حامل ہے۔ ناول کی تعریف میں سہیل بخاری لکھتے ہیں:

> ''ناول پلاٹ کرداروں کے افعال و اعمال یا حرکات و سکنات کا محض مجموعہ ہی نہیں ہوتا بلکہ واقعات کی منطقی تنظیم و ترتیب سے وجود میں آتا ہے''۔(۱)

پلاٹ ناول کا وہ مضبوط حصّہ ہوتا ہے جس پر پوری کہانی لکھی جاتی ہے۔ پلاٹ خواہ کیسا بھی ہو مگر اسے دلچسپ ہونا چاہیے تاکہ قاری کی توجہ اس کہانی پر مرکوز رہ سکے۔ سیّد علی عابد کا کہنا ہے:

> ''مربوط واقعات کا وہ سلسلہ جو کسی داستان یا ناول میں پایا جاتا ہے، پلاٹ کہلاتا ہے''۔(۲)

پلاٹ کی دو قسمیں ہوتی ہیں:

ا۔ سادہ پلاٹ ۲۔ مرکب پلاٹ

سادہ پلاٹ میں واقعات کہانی کے مختلف اجزاء ہوتے ہیں جبکہ مرکب پلاٹ میں ایک کہانی کے علاوہ ضمنی کہانیاں بھی شامل کر دی جاتی ہیں جو کہ مرکزی کردار اور مرکزی کہانی سے مربوط ہوتی ہیں۔

مرزا اطہر بیگ نے ''صفر سے ایک تک'' میں فلیش بیک تکنیک کو استعمال کیا ہے۔ وہ بار بار حال سے ماضی کا رشتہ جوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ پھر ایک منطقی ربط و تسلسل سے دوبارہ حال کی طرف آتے ہیں۔ یہ ناول اپنے عہد کا ایک ایسا منفرد ناول ہے جس کی کہانی سائیبر سپیس کے گرد گھومتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ''صفر سے ایک

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7615

تک'' کا پلاٹ منظم، متوازن اور لچک دار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قاری پر ایک خاص تاثر چھوڑتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمارے ماحول اور جاگیر دارانہ نظام کا تجزیہ بھی اس ناول کے اندر ملتا ہے۔

ناول کا پلاٹ جاگیر دارانہ نظام، جاگیر دارانہ گھرانوں میں صدیوں سے چلنے والی فیوڈ ازم کی روایات کو ہمارے سامنے لاتا ہے۔ اس میں نہ صرف ان کے مخصوص مزاجوں کو سامنے لایا گیا ہے بلکہ اُن کے طنز آمیز فقرے بھی بیان کیے گئے ہیں۔ اس حوالے سے یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

''یہ وہ تو نہیں فیضان کا دوست، دوست یا کیا۔ یاوہ اُن کے کسی منشی مزارعے کا بیٹا ہے۔ اِدھر کمپیوٹر کا کام سیکھا ہے۔ میں بلوا تا رہتا ہوں۔ جب کبھی کمپیوٹر خراجب ہو جاتا ہے۔ اچھا وہ ہاں میں نے بھی بلوایا تھا۔ میری ہارڈ ڈسک کرپٹ ہوگئی تھی۔ مگر یہ ذکو کمپیوٹر مکینک زلیخا خلجی سے کیا باتیں کر رہا ہے''۔(۳)

پلاٹ کا مزاج جدیدیت کا حامل ہے۔ پلاٹ بدلتے ہوئے حالات و واقعات اور زندگی کے اندر رونما ہونے والی تبدیلیوں کا ساتھ دینے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔ ناول کی کہانی ایک تسلسل کے ساتھ آگے بڑھتی ہے۔ یہ صرف ناول کے پلاٹ کی پختگی کی وجہ سے ہی ممکن ہے۔ مرزا اطہر بیگ کا یہ ناول ''صفر سے ایک تک'' اپنے آپ میں ایک منفرد ناول ہے اور کہانی کی عمدگی ہی ناول کو جاندار بناتی ہے جو کہ بعض اوقات مزاح کا تاثر بھی چھوڑتی ہے۔ اگر کہانی پن کا عنصر ناول میں موجود نہ ہو تو ناول کی کہانی دلچسپی اور تحسین برقرار رکھنے میں ناکام رہتی ہے۔ مرزا اطہر بیگ کے اس ناول کو پڑھ اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

''کسی واقعہ، ماجرا، فرد کا دلچسپ احوال بیان کرنا کہانی کے زمرے میں آتا ہے۔ ہر افسانہ (ناول) میں کہانی ہوتی ہے لیکن ہر کہانی، افسانہ (ناول) نہیں ہو سکتی''۔(۴)

ناول میں منشی عطا اللہ اپنے پردادا کے والد منشی عبداللہ کا ایک واقعہ بتاتے ہیں کہ انگریز کا دور تھا اور ایک دفعہ منشی عبداللہ نے قریبی قصبے بھالیکے کے ریاضی کے ماسٹر کے سامنے مسئلہ فیثاغورث پر کچھ سنگین اعتراض کر دیے۔ ماسٹر نے دھمکی دی کہ اگلی دفعہ انگریز انسپکٹر آف سکولز دورے پر آیا تو تمھاری شکایت لگادوں گا اور پھر فیثاغورت تمھیں پکڑ کر لے جائے گا۔ وہ بے چارے بہت پریشان ہوئے اور کئی دن روپوش رہے۔ پھر جب کسی نے بتایا کہ فیثاعورت نامی بزرگ تو اڑھائی ہزار سال پہلے فوت ہو گیا تھا تو منشی گیری پر واپس آ گئے''۔(۸)

بھالیکے کے ڈاکٹر سخاوت کی مثال بھی اس میں شامل کی جاسکتی ہے۔ اُس کے بارے میں کہا گیا کہ وہ خود دائم المریض ہے اور ایک موقع پر مریض دیکھتے دیکھتے بے ہوش ہو گیا اور چند سمجھ دار مریضوں نے خود ڈاکٹر کو فوری طبّی امداد مہیا کی اور فوری طور پر اُسے علاقے کے مشہور معالج حکیم بنفشہ کے پاس لے گئے جس نے بنفشے کی بجائے کچھ اور نامعلوم جڑی بوٹیوں سے اُس کا علاج کیا۔ مصنف کے لکھنے کا انداز بیاں، لب و لہجہ مختلف ہے۔ انھوں نے اس ناول میں کمپیوٹر کی زبان استعمال کی ہے۔ یہی اسلوب انھیں دوسرے مصنفوں سے ممتاز کرتا ہے۔ جاندار اسلوب ہی مصنفوں کی پہچان کا خاصا ہوتا ہے۔ اسلوب جہاں مصنف کو دوسروں سے الگ کرتا ہے وہاں پر جاندار اسلوب مصنف کی تحریروں کا باعث بنتا ہے اور تحریر کو اس قدر جاندار بنا دیتا ہے کہ ناول کا اسلوب بیاں عمدہ نظر آنے لگتا ہے۔ ناول میں چونکہ طویل اور لمبی کہانی ہوتی ہے اس لیے مشکل اسلوب کہانی کو متاثر کرتا ہے اور کہانی کو بھی غیر دلچسپ بنا دیتا ہے۔

مرزا اطہر بیگ کا ناول ''صفر سے ایک تک'' اپنے اسلوب کے حوالے سے ایک عمدہ ناول ہے جس میں کہیں کہیں ہمیں انگریزی لفظیات، فرانسیسی زبان، پنجابی زبان، محاورات، ضرب المثل کا استعمال بھی نظر آتا ہے اور اس سے زبان کا ایک مخصوص انداز ہمارے سامنے آتا ہے۔ ناول میں فرانسیسی اور انگریزی الفاظ کثرت سے ملتے ہیں جیسے پاغداں، آلا، اے بیاں، لوں۔ جس ڈاکٹر پر میں کام کر رہا ہوں۔ وہ ہنسا، اس کا خیال ہے کہ میں خود پاگل ہو رہا ہوں یا aiready ہو چکا ہوں۔ اُس نے اس خیال کا اظہار کیا کہ یہ trait مجھ میں فضائی صاحب کی طرف سے ہی آئی ہے اور یہ کہ .It runs in the family ۔

پنجابی کے الفاظ اور جملے بھی اس ناول میں شامل کیے گئے ہیں۔ جیسے: جے کوئی کسے نال سوندیاں سوندیاں اوہدے تے مرن لگ پوے تک اوہدا کیہ ہووے گا''۔ (۵) ''ایہناں دی تے اپنے جدوچ شودائی وڈیاں نیئں مکدے کسے نوں کیہ لوڑاے اینیاں نوں شودائی بنان دی''۔(٦) محاورات و ضرب المثل: ''نہ تین میں نہ تیرہ میں''۔(۷)

''چھوڑ دو یار اِدھر........ تمھیں کیا پتا کن کن کے سینوں پر سانپ لوٹتے رہے''۔ (۸)

ناول کے کردار بھی ناول کا اہم جزو ہیں کیونکہ کرداروں کے بغیر ناول کو آگے نہیں بڑھایا جاسکتا۔ کوئی بھی کہانی کردار کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی اور کرداروں کے ذریعے ہی مصنف زندگی کے تمام پہلوؤں کی عکاسی کرتا ہے۔

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

کردار دو طرح کے ہوتے ہیں:

مرکزی کردار ضمنی کردار

مرکزی کردار وہ کردار ہوتا ہے جس کے گرد ساری کہانی گھومتی ہے اسے ناول کا ہیرو یا ہیروئن بھی کہا جا سکتا ہے اور ضمنی کردار کہانی کو آگے بڑھانے میں مدد دیتے ہیں۔اس بات کا ثبوت ہمیں اس ناول ''صفر سے ایک تک'' میں ملتا ہے کیونکہ ناول کے کرداروں کے افعال و اعمال، حرکات و سکنات، عادات و اطوار معاشرے اور اپنے عہد کے عام انسانوں جیسے ہونے چاہئیں۔ناول کی کردار نگاری انتہائی جاندار، مؤثر اور متاثر کن ہے۔ڈاکٹر محمد یٰسین لکھتے ہیں:

''ناول کے سارے کردار گوشت پوست کے انسان معلوم ہوتے ہیں اور ہماری طرح ہی جذبات سے مغلوب ہو کر اپنے افکار و اعمال سے ہمارے دلوں پر نقش چھوڑ جاتے ہیں''۔(۹)

ناول کا مرکزی کردار ''ذکااللہ'' ہے اور ساری کہانی اسی کے گرد گھومتی ہے۔اس کے دیگر کرداروں میں فیضان سالار، سگو، ثناء اللہ، زلیخا، خلجی شامل ہیں۔ان کرداروں کے علاوہ ناول میں کئی دوسرے ضمنی کردار بھی شامل ہیں۔ذکااللہ ''صفر سے ایک تک''ناول کا اہم مرکزی کردار ہے۔ساری کہانی اسی کردار کے گرد گھومتی ہے۔ (سائبر سپیس منشی کی سرگزشت)اس ناول کے مرکزی کردار ذکااللہ کی کہانی ہے۔

اس کے کردار کے بارے میں مرزا اطہر بیگ اپنے انٹرویو میں کہتے ہیں:

''ذکی ہمارے معاشرے کا ہیرو ہے۔اس کی جڑیں محکوم طبقے میں ہیں اور جو اپنی ذہانت کی وجہ سے استحصالی طبقے کے خلاف کام کرتا ہے''۔(۱۰)

ذکااللہ ایک ایسا کردار ہے جو کمپیوٹر کا ٹیکنیکل کورس کرتا ہے اور اُس کے ذریعے وہ جاگیرداروں کے خلاف آواز اُٹھاتا ہے۔جب حیات سالار جاگیردار منشی عطااللہ سے کہتا ہے:اسی سے پتا چلتا ہے کہ کس بات نے انھیں مجبور کر دیا کہ وہ سالاروں کے کاغذوں، رجسٹروں کو کمپیوٹر پر منتقل کرتے ہیں۔

''اچھا عطااللہ یہ تو پھر لگتا ہے منشی گیری تیرے خاندان سے نکل جائے گی اور کوئی حل نہیں تیری مرضی۔پھر الماری کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا۔یہ سارے کاغذ پتر بھی واپس جائیں گے۔اُس کی بات سُن کر مجھے تو دھکا سا لگا۔یہ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔یہ کاغذ پتر اس کے پیو دادے پڑدادے کے ہی تو نہیں۔ہمارے وڈے وڈیروں کے بھی ہیں بلکہ شاید اُن سے زیادہ ہی ہیں''۔(۱۱)

ذکااللہ کا کردار ناول کا سب سے زیادہ جاندار کردار ہے۔اُس نے ایک ویب سائٹ، منشی ان سائبر سپیس ڈاٹ کام بھی قائم کی۔ناول کا پورا ڈھانچا اِسی کردار پر کھڑا ہے۔جب وہ فیضان سالار کے لیے کمپیوٹر پر کام کر کے دیتا ہے تو ایک جگہ کہتا ہے کہ ''میں ابھی دیکھ لیتا ہوں۔پرنٹ آؤٹ ابھی پہنچا دوں تمھیں یا ' '........

''اکیسویں صدی توقعات اور خدشات'' میں نے براہ راست لکھ کر searchپر کلک کر دیا۔چند لمحوں بعد ہی ایسی توقعات اور خدشات کا علم دینے کا دعویٰ کرنے والے سینکڑوں links نیلے لفظوں کی سطور کی صورت سکرین پر ظاہر ہو گئے لیکن میرا ٹارگٹ صرف عالمی سطح پر عظیم لوگوں کی باتیں تھیں۔عظیم لیڈر، مفکر، مورخ، صحافی، رائٹر، سائنس دان، ایکٹر، مذہبی رہنما، نجومی)''........(۱۲)

فیضان سالار جو کہ جاگیردار حیات محمد سالار کا بیٹا تھا اور منشی عطااللہ کے بیٹے ذکااللہ کا دوست بھی ہے۔اس کردار کو مرزا اطہر بیگ نے ایک نام نہاد کیمسٹری لیکچرار کے طور پر پیش کیا ہے اور وہ ''اکیسویں صدی توقعات اور خدشات'' کے حوالے سے یونیورسٹی میں Talk کرنا چاہتا ہے اور اس کے علاوہ ''سماجی دنیا میں وعدہ معاف گواہوں کا نیا کردار'' بھی اس کا موضوع تھا۔پھر فیضان سالار کو اغوا کر لیا گیا بعد میں اُس کا یہ نتیجہ نکلا ''وعدہ معافی تحریک'' کو ملتوی کر دیا گیا اور خفیہ طور پر سالاروں کی زرعی تاریخ پر ایک کتاب لکھنے میں مصروف ہو گیا۔فیضان سالار ایک ایسا کردار ہے جس کو بھی قید و بند کی مشقتیں برداشت نہیں کرنی پڑیں۔فیضان سالار کا یہ بھی مسئلہ ہی رہا کہ وہ سالاروں کی تاریخ کے ادھیڑ پن میں ہی پھنسا رہا۔

زلیخا خلجی کا کردار اس ناول کی جان ہے۔کیونکہ کوئی بھی ناول نسوانی حُسن کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ناول کے حُسن میں اس کے بغیر اضافہ ہو سکتا ہے۔ فیضان سالار کو زلیخا خلجی سے محبت ہو جاتی ہے جبکہ ذکااللہ کی زلیخا خلجی سے دوستی ہو جاتی ہے۔دراصل یہ ایک ایسی فرانسیسی خاتون ہے اُس کا باپ پاکستانی ہے۔ماں فرانسیسی

ہے، زلیخا خلجی کے ماں باپ کی علیحدگی ہو چکی ہے اور وہ صحافی ہے۔ اپنے باپ کی وجہ سے پاکستان آتی ہے۔ زلیخا خلجی کے کردار کے بارے میں مرزا اطہر بیگ زلیخا خلجی کے کردار کو ناول کا حُسن قرار دیتے ہیں۔

زلیخا خلجی ذکااللہ سے جاننا چاہتی ہے کہ سالاروں کی حقیقت کیا ہے؟ کیا یہ کوئی قبضہ گروپ ہے یا کوئی مافیا تنظیم؟ جب ذکااللہ اس سے پوچھتا ہے ''آپ یہ کیوں پوچھ رہی ہیں''۔ تو اس کے جواب میں وہ کہتی ہے:

''ہاں........ مجھے بتانا چاہیے کہ ایسا کیوں پوچھ رہی ہوں۔ تمھیں ایسا جاننے کا حق ہے''۔ (۱۳)

میں اُسے جواب دینا چاہتا تھا لیکن نہیں دے سکا۔ سالار اصل میں ایک برادری نہیں ایک نیٹ ورک ہے جس کی نوعیت بنیادی طور پر ایک عظیم گروپ کی ہے اور یہ نیٹ ورک ایسے قبضہ گروپ کے نیٹ ورک سے جڑ کر ایک سپر سالار نیٹ ورک بناتا ہے جسے میں نے codify کر لیا ہے لیکن پھر خیال آیا کہ قبضہ گروپ ایک خالصتاً مقامی ٹرم ہے جسے وہ یوریشن لڑکی نہیں سمجھ سکے گی۔

''صفر سے ایک تک'' کے تمام کردار جاندار ہیں اور ان کی حرکات و سکنات، گفتگو موقع محل کے مطابق نظر آتی ہے۔ ذکااللہ جس طرح زلیخا کو ایک کامیاب انجینئر کی طرح کمپیوٹر کے بارے میں بتاتا ہے تو زلیخا خلجی بھی اُس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکی۔ وہ کہتی ہے کہ میں کمپیوٹر والے لوگوں سے بہت متاثر ہوتی ہوں کیونکہ You Know یہ دنیا اب اُن کی ہے........ پروگرامر........ پھر تو تم سالار لوگوں کا دو اور دو چار تو جانتے ہوں گے۔ کمپیوٹر پروگرامر زکافی حسابی لوگ نہیں ہوتے کیا؟۔

اس ناول کا ایک اور اہم کردار ذکااللہ کے بھائی ثنااللہ کا بھی ہے اور یہ مختلف روپ بدل بدل کر پیسہ کماتا ہے۔ اس کردار کے بارے میں مرزا اطہر بیگ کہتے ہیں کہ ثنااللہ ایک ایسا کردار ہے جو کہ پیری مریدی کے چکر میں پڑ کر اس کو Represent کر رہا ہے۔

مکالمہ نگاری بھی ناول کا ایک اہم جزو ہے جو کہ دو اشخاص کے درمیان ہونے والی بامعنی گفتگو، جس سے ان کے جذبات و احساسات کی ترجمانی ہو، مکالمہ کہلاتی ہے اور یہ مکالمے کرداروں کے حسبِ حال اور موقع دیکھ کر گفتگو کرتے ہیں۔ ڈاکٹر سہیل بخاری کہتے ہیں:

''مکالمہ کرداروں کی ذہنی کیفیات وجذبات سے میل کھاتا ہوا اور غم سے خوشی کے موقعوں پر کرداروں کا لب ولہجہ بھی انسانوں کی طرح ہونا چاہیے''۔ (۱۴)

عمدہ مکالمہ ہمیشہ تحریر میں جان ڈال دیتا ہے۔ ''صفر سے ایک تک'' ناول میں بھی مرزا اطہر بیگ نے بہت خوبصورت انداز سے مکالمہ نگاری پیش کی ہے۔ مکالمہ نگاری کے حوالے سے علی عباس حسینی رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ ناول نگار کے ہاتھ میں اظہار خیال کا بہترین آلہ ہے''۔ (۱۵)

فیضان اور ذکی کے درمیان مکالمہ:

ذ۔ ''بارش شروع ہو گئی ہے''۔

ف۔ (بھرائی ہوئی آواز میں) ''یہ آئی کہاں سے ہے''۔

ذ۔ ''میرا خیال ہے بادلوں سے پانچویں جماعت کے جغرافیے میں پڑھا تھا۔

ف۔ (آواز بھرا جاتی ہے) ''میں اس ٹرم کی بات کر رہا ہوں ''کبا گروپ'' کی۔

ذ۔ (ایک دم سنجیدہ ہو جاتا ہے) ''دیکھو فیضان میرا خیال ہے اب ہمیں اسے ایک طرف ہٹا دینا چاہیے۔ بس اتنا جان لینا کافی ہے کہ کبّا گروپ سالار نیٹ ورک کا انٹیلیکچول اور کلچرل رنگ ہے۔

(فیضان کی آنکھیں حیرت سے پھیل جاتی ہیں)

ف۔ کیا کہا تم نے؟ سالار نیٹ ورک

What the Hell is that۔'' (۱۶)

زلیخا خلجی اور ذکااللہ کے درمیان بھی مکالموں کی صورت میں ہی ای۔ میل chat ہوتی ہے۔ ناول میں بہت عمدہ اور خوبصورت جاندار مکالمہ نگاری ہے۔

ذکی۔ میں خوش نہیں ہوں۔

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

کیوں؟

اب تم ''کیوں'' پوچھ رہے ہو؟

ظاہر ہے ہمارے درمیان طے ہوا تھا کہ ایک دوسرے کی خیریت سے غافل نہیں رہیں گے۔

.... Exactly مجھے جو اُمید تھی کہ مجھے دنیا میں تمھارے علاقوں کی طرف بھیجا جائے۔ کسی سٹوری کے لیے وہ پوری نہیں ہو سکی۔ کوئی اور جائے گا۔

یعنی دنیا کے خطرناک علاقوں میں رپورٹنگ کی خصوصی تربیت حاصل کرنے کے باوجود۔

ہاں اس کے باوجود۔ کیا یہ ناخوش ہونے کے لیے کافی وجہ نہیں ہے؟

میرا خیال ہے یقیناً اگر تمھیں یہ موقع مل جاتا تو پروفیشن میں تمھاری ترقی کے لیے بہت اہم ثابت ہوتا۔

منظر نگاری بھی ناول کا اہم حصّہ ہے جو اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ ناول میں اس طرح پیش کیا ہے کہ منظر ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے، مرزا اطہر بیگ نے اپنے اس ناول میں منظر نگاری بہت اچھے انداز میں کی ہے اور ان تمام اُمور کو اس سلیقے اور اس انداز سے بیان کیا ہے کہ پڑھنے والے کے سامنے اس کی تصویر کھینچ جائے، ناول نگار کو اپنی تخلیق کی بنیاد پر اور ضرورت کے حساب ہی سے مناظر بیان کرنے چاہئیں اور غیر ضروری تفصیلات سے گریز کرنا چاہیے۔ Fasting bhodha لاہور کے میوزیم کی سب سے منفرد اور قابل فخر کولیکشن ہے۔ میوزیم سے باہر زمزمہ توپ ہے جسے Kim's gun بھی کہتے ہیں۔ شالامار باغ میں فواروں کی تعداد چار سو س ہے۔ پانچ آبشاریں ہیں۔ باغ کے تین تختے ہیں۔ سب سے پہلے تختے کا نام فرحت بخش ہے۔ دوسرا فیض بخش اور تیسرا حیات بخش۔

''صفر سے ایک تک'' ایک ایسا ناول ہے جو کہ مصنف کی بہترین صلاحیتوں کی عکاسی کرتا ہے اور ان کی باریک بینی اور مشاہدے کا ثبوت ہے۔ ناول میں فنکارانہ انداز میں جزئیات کو بھی پیش کیا گیا ہے جس میں مصنف کافی حد تک ہمیں کامیاب بھی نظر آتے ہیں۔ وہ منظر کشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ رات کا آخری پہر تھا اور کھلی چھت پر سے گزرتی ہوا اب شبنم سے بھیگ رہی تھی۔ وہ خاموشی سے اُٹھے اور برساتی کی ٹیوب لائٹ آف کر دی۔ میرا خیال تھا ہر طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا جائے گا لیکن نہیں پچھلی راتوں کا ایک لاغر سا چاند بھالیکے کے ارد گرد ویرانوں میں اپنی گئی گزری چاندنی سمیت آن پہنچا تھا اور ایک ڈراؤنی سی روشنی دنیا میں بکھیر رہا تھا۔

یہ ناول اگرچہ سائبر سپیس (منشی کی سرگزشت) کے حوالے سے ہے لیکن پھر بھی اس ناول کے اندر مرزا اطہر بیگ نے بوریت کا رنگ نہیں بھرا اور کوشش کی ہے کہ ہر لحاظ سے ناول کو متوازن اور لچکدار رکھا ہے۔

گامو اور ذکا اللہ کے درمیان جذبات نگاری کا اقتباس:

> ''گامو کی گرفت میرے گرد اتنی ہی شدید تھی۔ اس کا پورا جسم میرے جسم کے گرد ایک ایسے تالے کی طرح بند ہو چکا تھا جسے شاید میں کبھی نہیں کھول سکتا تھا''۔(۱۷)

''صفر سے ایک تک'' کے اندر متنوع قسم کا ماحول ملتا ہے۔ ہر آن بدلتے حالات اور فیوڈ ازم کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس ماحول کی عکاسی کی گئی ہے جس میں جاگیر دارانہ نظام نظر آتا ہے۔ کسی طرح سرمایہ دارانہ نظام تشکیل پاتا ہے اور یہ صدیوں سے چلتا آرہا ہے۔ حاکم اور محکوم کی داستان کو بیان کیا گیا ہے۔ مدتوں سے غریبوں کا استحصال ہوتا چلا آرہا ہے۔ غریب ہمیشہ اس ماحول سے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن جاگیر دارانہ نظام نے انھیں اس گرفت اور مضبوطی سے اپنے اندر لے رکھا ہے کہ وہ چاہتے ہوئے بھی اس ماحول سے باہر نہیں نکل سکتے۔ ماکھا سالار (مختار سالار) یہ جو تھا تو انگریزوں کے زمانے کی بات ہے۔ اب یہ کیا کرتا تھا جب گورا صاحب نہر کے موگے دیکھنے آتا تھا تو اپنے چونا پھرے انگریزوں کو اس کے سامنے کھڑا کر دیتا تھا، مصلیوں کو ننگا کرا کے اوپر چونا پھرا دیتا تھا۔ یہ تھے چونا پھرے انگریز۔

اس کے علاوہ بھی مرزا صاحب نے ماحول کی عکاسی کی ہے جیسے: میں اپنے کمپیوٹر سینٹر کا دروازہ آہستگی سے اوپر اٹھاتا ہوں اور باہر سنسان رات میں جھانکتا ہوں۔ میں تھڑے پر بیٹھ جاتا ہوں۔ چند کتے اِدھر سے گزرتے ہیں۔ میں انھیں پچکارتا ہوں۔ قریب لاتا ہوں مگر ان کی منزل اور ہے۔

> ''اپنے جیسے دوسرے بہت سے چھوٹے چھوٹے قصبوں کی طرح بھالیکے ایک سویا ہوا قصبہ ہے۔ جہاں دن کا آغاز بھی خاموشی سے ہوتا ہے مگر آج وہ خاموش آغاز ایک گہرا سناٹا بھی اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ اس معاملے میں کسی کو فکر نہیں''۔(۱۸)

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

یہ ناول مابعد جدیدیت کو بیان کر رہا ہے کیونکہ کمپیوٹر نئے دور کی ٹیکنالوجی ہے۔اس حوالے سے مرزا اطہر بیگ نے اس ناول میں اپنے نالج کے حساب سے کمپیوٹر کے بارے میں بہت تفصیل سے گفتگو کی ہوئی ہے۔مرزا اطہر بیگ نے انفارمیشن ٹیکنالوجی کی زبان کو جو بنیادی طور پر تخلیقی زبان ہے،نہایت کامیابی کے ساتھ ناول کی تخلیقی زبان بنادیا ہے اور یہ ان کی بہت بڑی کامیابی ہے۔

''صفر سے ایک تک'' مرزا اطہر بیگ کا دوسرا ناول ہے۔فکری حوالے سے اگر اس ناول کا جائزہ لیا جائے تو ناول نگار جس بھی عہد کا ہو،وہ اُسی عہد کے بارے میں یا اُس عہد کے تناظر میں لکھنا پسند کرتا ہے۔یہ ناول سانجھ پبلی کیشنز لاہور کے زیر اہتمام ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا۔یہ ناول ۲۹۳ صفحات پر مشتمل ہے۔مرزا اطہر بیگ کا پہلا ناول ''غلام باغ'' ہے جس کو ادبی حلقوں میں بہت پذیرائی حاصل ہوئی۔''غلام باغ'' کے بعد ''صفر سے ایک تک'' بھی اپنی نوعیت کا ایک اہم ناول ہے۔یہ ایک ایسا ناول ہے جس کے بارے میں کسی اور مصنف نے ، ناول نگار نے اس طرح کے موضوع کے بارے میں نہیں لکھا۔مصنف نے اس ناول میں (سائبر سپیس منشی کی سرگزشت) کے بارے میں لکھا ہے،جاگیر داری نظام کے مختلف پہلوؤں کو نہ صرف مد نظر رکھا ہے بلکہ اس کے مختلف پہلوؤں کو عیاں کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ جاگیر دارانہ کلچر کی ذہنیت کو دکھایا گیا ہے۔انھوں نے معاشرے کی تلخ حقیقتوں کو موضوع بنایا ہے۔بنیادی طور پر ہمارا معاشرہ فیوڈ ازم یعنی جاگیر دارانہ نظام کا گڑھ ہے اور یہی ناول میں دکھایا گیا ہے کہ اس نظام سے وابستہ عام طبقہ کس طرح اس نظام سے متاثر ہوتا ہے۔یہی موضوع اس ناول کا کلیدی نقطہ نظر ہے۔

''صفر سے ایک تک'' کی کہانی بنیادی طور پر فیوڈ ازم نظام کے گرد گھومتی ہے۔اس میں ایک کردار ذکااللہ کا ہے جو کہ اس کہانی کا ہیرو ہے اور ساری کہانی اسی کردار کے گرد گھومتی ہے۔اس ناول میں دوسرے بہت سے کردار بھی شامل ہیں جو کہ ضمنی کردار کہلاتے ہیں اور انھی کرداروں کی وجہ سے کہانی آگے آگے بڑھتی ہے۔

اس ناول کا مرکزی کردار ذکاءاللہ ،ذکی،ذکو ہے۔منشی عطااللہ کا بیٹا ہے۔جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے کہ اِس کا باپ منشی ہے وہ لوگ موضع کوتل سالاراں کے جاگیر دار حیات محمد سالار کے منشی تھے اور ایسا صدیوں سے چلا آرہا تھا۔ذکااللہ دو بھائی تھے۔دوسرے بھائی کا نام ثنااللہ ہے۔ان دونوں نے بچپن ہی سے سوچا تھا کہ دونوں کبھی بھی منشی نہیں بنیں گے۔ذکااللہ ڈاکٹر بننا چاہتا تھا اور ثنااللہ پائلٹ لیکن دونوں نہ ڈاکٹر بن سکے ،نہ ہی پائلٹ،منشی گیری کا ریکارڈ ذکااللہ کے والد منشی عطااللہ کے کمرے کی الماری میں موجود تھا۔تمام کھاتے اور کاغذ رجسٹر اُسی میں تھے۔حیات محمد سالار کے بیٹے فیضان نے جب ذکااللہ کے ساتھ میٹرک کیا تو ذکااللہ میڈیکل میں جانا چاہتا تھا لیکن پیسوں کی کمی کی وجہ سے نہ جاسکا اور اس کے بھائی ثنااللہ نے کمپیوٹر ٹیکنیکل کورس کرنے کا مشورہ دیا۔فیضان سے دوستی ہونے کی وجہ سے ذکااللہ کو بھی اُس کے ساتھ لاہور بھیج دیا گیا۔اس نے سوچا تھا کہ کبھی بھی فیضان کی منشی گیری نہیں کرے گا لیکن سفر کے دوران ہی اُس کی منشی گیری کی تعیناتی ہوگئی۔جب اُس نے کرایہ نکال کر کہا کہ کنڈیکٹر کو کرایہ دے دو۔ذکااللہ نے سوچا تھا کہ لاہور پہنچنے کے بعد ہمارے راستے الگ الگ ہوں گے لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہوا اور فیضان ذکااللہ کو اپنے ساتھ اپنی کوٹھی میں لے آیا۔شاید وہ یہی سوچ کر آیا تھا کہ اُس کی حفاظت کے لیے بھی کوئی نہ کوئی ہو سکتا تھا۔فیضان نے ایچ۔ای۔سن کالج لاہور میں داخلہ لے لیا اور ذکااللہ نے ٹیکنکل کالج میں کمپیوٹر کورس میں داخلہ لیا۔کوئی بھی کام ہوتا فیضان اُسے کہتا کہ وہ کام کرے۔ایک شام سالاروں کی پارٹی میں فیضان کو ایک فرانسیسی خاتون زلیخا خلجی سے محبت ہوگئی اور اس سے بات کرنے کے لیے ذکااللہ کو اُس کے پاس بھیجتا ہے۔وہاں بھی ذکااللہ کو لوگوں کے طنز آمیز فقرے سننے کو ملتے ہیں۔زلیخا خلجی ذکااللہ کی باتوں سے بہت متاثر ہوئی۔اُسے اپنا ای۔میل بھی دیا اور اُس کے بعد اُن کی دوستی ہوگئی۔زلیخا خلجی ذکااللہ سے سالاروں کے بارے میں جاننا چاہتی تھی کہ کیا سالار کوئی مافیا گروپ ہے؟یا کچھ اور؟ذکااللہ زلیخا خلجی کو لاہور کی سیر کرواتا ہے۔اصل میں زلیخا خلجی ایک صحافی ہوتی ہے۔ذکااللہ اپنے باپ کو کمپیوٹر کے بارے میں بتاتا ہے جو جاگیر داروں کے حساب کتاب یا کھاتے کو سی ڈیز پر منتقل کرتے ہیں۔فیضان سالار ایک نام نہاد کیمسٹری کا لیکچرار بن گیا تھا۔اُسے ذکااللہ سے پل پل مدد چاہیے ہوتی ہے کیونکہ وہ اُسے انٹرنیٹ سے مواد نکال کر دیتا تھا اور ایک طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ ذکااللہ فیضان کا منشی بن گیا۔(سائبر سپیس منشی)ذکااللہ کے بھائی ثنااللہ کی کہانی بھی بڑی دلچسپ ہے۔وہ پیسے کمانے کے لیے مختلف روپ دھارتا ہے۔شادیاں کرتا ہے،پیری مریدی کے چکر میں بھی پڑتا ہے۔آخر میں ایک ثقافتی میدان کا مینجر بن جاتا ہے۔اُس کی بیوی شگوایک سمجھ دار خاتون ثابت ہوتی ہے۔فیضان سالار اخبار میں ایک مضمون لکھتا ہے۔بعد میں لوگوں نے اُس مضمون لکھنے والے کا نام ظاہر کرنے کی طرف زور دیا جس کے نتیجے میں فیضان کو مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ذکااللہ کا باپ بہت حد تک کمپیوٹر کو جان گیا تھا اور انھوں نے تمام Data اپنے ای۔میل میں ٹرانسفر کر لیا تھا۔ان کے گھر پر مصیبت ٹوٹ پڑی۔جاگیر دار حیات محمد سالار کے لوگوں نے ان کے گھر کو جلادیا۔کمپیوٹر بھی ساتھ لے گئے۔

اصل میں جاگیر دارانہ نظام کے ایسے مکروہ چہرے بے نقاب کرتا ہے۔کس طرح ایسے لوگ اپنے ماتحت کام کرنے والوں کو ہمیشہ اپنے بوجھ تلے ہی دبا کر رکھنا چاہتے ہیں اور اگر کوئی ان متوسط طبقے سے کوئی ان کے خلاف آواز اٹھاتا ہے یا بغاوت کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ ان کی آواز دبانے کی کوشش کرکے کچل دیتے ہیں۔یہ تمام

پہلواس ناول میں دکھانے کی کوشش کی گئی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جاگیردارانہ طبقہ کس طرح مقامی انتظامیہ اور قانونی اداروں کو رشوت اور اثر ورسوخ کے ذریعے اپنی گرفت میں رکھتا ہے اور اپنی مرضی کے فیصلے کرواتا ہے۔

مصنف نے یہ ناول مابعد جدیدیت (Post Modernism) فکشن کی تکنیک پر تحریر کیا ہے اور اس میں دکھایا گیا ہے کہ پاکستان میں مقتدر طبقے کی زندگی گزشتہ صدی کی آخری تین دہائیوں میں کن تبدیلیوں سے گزر رہی تھی۔ جب اطلاعاتی ٹیکنالوجی طرح طرح کے روپ دھار کر کمپیوٹر، انٹرنیٹ، ٹیلی ویژن اور سیل فون میں نصب کیمرے، ریڈیو، منی ٹی وی کی صورت میں جلوہ گر تھی تو اس میں ہمارے نیم جاگیردارانہ نظام سماج کو اُٹھا کر جدید ترین زمانے میں پٹخ دیا گیا۔ ناول کے بہت سے شاخاسانے قدیم و جدید کے اسی تضاد سے پھوٹتے ہیں اور غالباً اُردو ادب میں یہ پہلا موقع ہے کہ اس سماجی صورتِ حال کو پوسٹ ماڈرن فکشن نے اپنا موضوع بنایا"۔(۱۹)

مرزا اطہر بیگ کا ناول "صفر سے ایک تک" (سائبر منشی سپیس کے منشی کی سرگزشت) کو اگر دیکھا جائے تو یہ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے کمپیوٹر کے نظاموں کے رابطے کا نام ہے اور ایک طرح سے یہ دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ ایک مقناطیسی قوت ہے جو کہ دنیا بھر کے افراد کو باہمی رابطوں کے قابل بناتا ہے۔ "صفر سے ایک تک" کا ہیرو ذکا اللہ بھی اس سے آگے ایک اور قدم جاتا ہوا ہمیں دکھائی دیتا ہے اور اس حوالے سے اس کہانی کا مرکزی کردار ذکا اللہ یہ کہتا ہے:

> "میں سائبر سپیس کا منشی کیسے بنا؟ اس سوال کا جواب دینے کے لیے پہلے تو مجھے اُس لاخلا سے اپنے ذاتی تعلق کی وضاحت کرنی ہو گی جو سائبر سپیس کہلاتا ہے جو دنیا بھر کے کروڑوں کمپیوٹروں کے ادغام سے جنم لینے والا لامکاں ہے اور جس میں سفر کا آغاز کرنے کے لیے آپ انٹرنیٹ کے برقیاتی دروازے پر اپنے ماؤس کی کلک سے دستک دیتے ہیں اور پھر Digital Plus کی گاڑی پر سوار ہو کر منزلیں طے کرتے جاتے ہیں"۔(۲۰)

حیات محمد سالار جو موضوع کوتل سالاراں کے رہنے والے ہیں اور وہ صدیوں سے اپنے جاگیردار ہونے کی وجہ سے اپنے منشیوں کا استحصال کرتے ہوئے آرہے ہیں اور اپنے حساب کتاب کے بارے میں بھی خوفزدہ ہیں۔ سالار وہ جاگیردار ہیں جو انسانوں کا خوفناک استحصال کرتے ہیں۔ جیسا کہ: پھر برکت سالار۔ بکو۔ مربعوں جائیدادوں والا جیسے یہ سب ہیں ہر سال میں دو مہینے ڈکیتوں کے ساتھ جاملتا تھا اور ڈکیتوں کا ٹھرک پورا کرتا تھا۔ سناتا ہے ایک دفعہ اُس نے اپنی ہی حویلی پر ڈاکہ مارا اور اپنے پتر کے ہاتھوں مارا گیا۔ چلو مُک گئی کہانی۔

ادھر بھالیکے میں سکول کھلا تو مراد علی سالار کا پُتر ہاشم۔ ہاشُو آپ دھی پُتروں والا۔ اُسے پتہ نہیں کیا ہوا۔ ماسٹروں کا ویری ہو گیا۔ اس نے کہا جو ماسٹر مجھے سولاں تک پہاڑے یاد کرا دے گا۔ ہزار روپیہ انعام پائے گا۔ اُس زمانے کا ہزار........ تو بہ میری سمجھ کر لو آج کے لکھ برابر پر جو یار نہیں کرا سکے گا ہزار "لترِ" کھائے گا۔ سناتے ہیں بڑے بڑے ماسٹروں نے اپنی مٹی پلید کروائی"۔ دوسری جگہ لکھتے ہیں "ہر کمی کمین جو ویاہ کرے گا اُس کی عورت پہلی رات سالار کے ساتھ سوئے گی۔ یہ تو خیر ہوتا ہی تھا۔ ایسے تو بڑے تھے۔

ذکا اللہ کا باپ عطا اللہ سالاروں کے پاس منشی تھا۔ عطا اللہ کا باپ اور اس کا باپ سب منشی گیری کرتے تھے۔ یعنی سب سالاروں کے غلام تھے۔ زمینوں، جاگیرداروں کا حساب کتاب، کمپیوٹر کی مانند رجسٹروں میں محفوظ کرتے تھے اور سالاروں کی سب حرکتوں کا بھی حساب محفوظ کرتے تھے لیکن اپنے ذہن اور زبان پر تالے لگا رکھتے ہیں کیونکہ سالاروں کے خلاف زبان کھولنا موت کے مترادف تھا لیکن سائبر سپیس سے منسلک انٹرنیٹ (کمپیوٹر) میں جو بھی جاگیرداروں کے متعلق باتیں تھیں وہ بطور سی ڈی محفوظ کرتے ہیں۔ فقرے اتنے چست ہیں کہ ان سے باتوں کی پوری طرح وضاحت ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ: میں کہہ رہا تھا اب جی کہ آخر فیضان نے ایک دن جاگیر سب کچھ سنبھالنا تو ہے۔ وہ کمپیوٹر کے زمانے کا جاگیردار ہے۔ ہم سب کچھ اُسے CDs پر ڈال سکتے ہیں"۔

مرزا اطہر بیگ جو کہ حقیت میں فلسفے کے پروفیسر ہیں انھوں نے اسے سائنسی فتوحات کے آئینے میں فکشنیاتی معجزہ بناتے ہیں اور اسے ہی پوسٹ ماڈرن فکشن کہا جاتا ہے اور دیکھا جائے تو یہ بھی مرزا اطہر بیگ کا ہی کمال ہے کہ انھوں نے حقیقی دنیا سے واقعات لے کر اُسے کہانی بنا کر پیش کیا ہے اور یہی ان کے ہاں اسلوبیاتی اور تکنیک کی خصوصیت نظر آتی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو "غلام باغ" مرزا اطہر بیگ کا پہلا ناول ہے۔ اُسے اپنی انفرادیت کی وجہ سے ادبی حلقوں میں بہت پذیرائی حاصل ہوئی اور بھی بہت سے ناول "پوسٹ ماڈرن فکشن" میں آتے ہیں۔ محمد عاصم بٹ کا ناول "دائرہ" بھی جیسے پوسٹ ماڈرن فکشن یا مابعد جدید تحریر کا نام دیا جا سکتا ہے۔ مرزا اطہر بیگ کے ناول "صفر سے ایک تک" کو بھی مابعد جدیدیت کی دوسری شکل کہا جا سکتا ہے اور ان کے علاوہ محمد حمید شاہد "مٹی آدم کھاتی ہے" کا ناول بھی اس میں شامل ہے۔

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

''صفر سے ایک تک''ناول میں اگر دیکھا جائے تو ذکااللہ جو ناول کا مرکزی کردار ہے اور سالاروں کا بیٹا فیضان ایک ہیرو تو نہیں لیکن اس کا کردار کہانی کے آخر تک جاتا ہے۔ یہ دونوں ایسے کردار ہیں جو کہ متوازی طور پر ہمیں ایک ساتھ چلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ ذکی کے خاندان کے لوگ صدیوں سے سالاروں کے منشی ہیں اور یہ ایسے لوگ ہیں جو کہ سالاروں کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتے اور ان کی مخالفت میں اپنی زبان بھی نہیں کھول سکتے اور چونکہ ذکااللہ ایک ایسا کردار ہے جو کہ کمپیوٹر کی دنیا کا ہے اور وہ انٹرنیٹ کے ذریعے مکانیت سے لامکانیت تک کا سفر کرتا ہوا نظر آتا ہے۔اس ناول میں ایک کردار زلیخا خلجی کا بھی ہے اور اس کا تعلق فرانس سے ہے۔اس کی ماں فرانسیسی ہے اور باپ پاکستان۔اس کا باپ زلیخا کو ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں پاکستان میں ہی رکھنا چاہتا ہے اور پورے ناول کی کہانی میں زلیخا کا کردار ذکااللہ اور فیضان سالار کے گرد گھومتا ہے۔یہ ایک ایسا کردار ہے جو کہ اپنے مضبوط نقطۂ نظر ہونے کی وجہ سے ناول کی جان ہے اور ویسے بھی کسی بھی کہانی میں عورت کی غیر موجودگی ناول کو بے رنگ کر دیتی ہے۔وجودِ زن سے ہے کائنات میں رنگ........

> ''اپریل کی اُس شام سالگرہ کی اس تقریب میں نیلی جین اور پیازی بلاؤزر میں ملبوس کوک پتی قہقہے لگاتی اور فیضان سالار کی ''پہلی نظر میں محبت''کا نشانہ بننے والی اُس لڑکی کا نام زلیخا خلجی تھا''۔ (۲۱)

''صفر سے ایک تک'' میں زلیخا کا کردار موسم بہار کی علامت جیسا معلوم ہوتا ہے اور مرزااطہر بیگ نے فیضان کو کیمسٹری کا ایک نام نہاد لیکچرار کا رُوپ دیا ہے جو اپنے مقالے ''اکیسویں صدی........ توقعات اور خدشات'' کے لیے انٹرنیٹ کے ماہر ذکااللہ سے مدد کا طالب ہے اور اسے وہ کبّا گروپ میں شامل کرتے ہیں کیونکہ فیضان بھی ''علمی تفکر'' کی وجہ سے کب نکال لیتا ہے۔

مرزااطہر بیگ نے جو کمالات اپنے ناول ''غلام باغ'' میں دکھائے ہیں وہ اپنے اس ناول ''صفر سے ایک تک'' میں بھی دکھائے ہیں اور کبّا گروپ وہ گروپ ہے جو کہ صرف نام کے دانش ور ہیں اور کم فہم ہیں۔ پاکستان کے جاہل معاشرے کی ذمہ داری یہ لوگ اپنے کندھوں پر سمجھتے ہیں اور اس ذمہ داری کی وجہ سے ان کے کندھے جھک گئے ہیں اور ہر ناول نگار ہمیشہ اپنے ماحول سے ایسے کردار لیتا ہے جو کہ اپنے ارد گرد دیکھتا ہے اور پھر انھیں اپنے ناول کی کہانی میں شامل کرتا ہے۔یہ کہا جا سکتا ہے ''کبّا گروپ'' یعنی اس طرح کے کبّوں سے مرزا صاحب کا ٹاکرا ہوا ہو گا یا ایسے لوگوں کو مرزا صاحب نے ضرور دیکھا ہو گا اور عمومی طور پر ایک اچھا ناول نگار اپنے ماحول کے کرداروں کی تصویر کشی کرنے کا ماہر ہوتا ہے۔

''صفر سے ایک تک'' میں مرزااطہر بیگ نے بہت سے طنزیہ کردار بھی تخلیق کیے ہیں جو کہ اپنے مابعد جدیدیت کے پیرائے میں انوکھے اور اپنے اندر پہلو لیے ہوئے ہیں۔جیسے ''اوڈیئر میں سبھی تم زمانوں سے(Since ages) کمپیوٹر والا سے کچھ ڈسکس کر رہی ہو تو یقیناً تمھارا کوئی لیب ٹاپ خراب ہو گا''۔

ذکااللہ کا بھائی ثنااللہ جو کہ مختلف روپ دھار کر پیسے کماتا ہے۔وہ موضوع بھاٹی میں پیری مریدی کرنے لگتا ہے اور وہ خوب پیسہ کماتا ہے اور سگو نامی عورت سے شادی کرتا ہے۔کیونکہ سگو کا پہلا شوہر ہیروئن کے زیادہ استعمال سے مر جاتا ہے۔ناول کے آخر میں ثنااللہ تھری پیس سوٹ میں نظر آتا ہے کیونکہ اس کا تعلق ثقافتی سرگرمیوں سے تھا۔بالآخر ایسے ہی ایک ثقافتی گروپ کے منیجر کے طور پر سلیکٹ ہو گیا تھا اور یہ معاملات بھی زیادہ پیسے بنانے والے تھے۔

مرزااطہر بیگ نے اس ناول میں ''وعدہ معاف رائٹر'' کا تصور بھی پیش کیا ہے۔وعدہ معاف گواہ کے بارے میں یہ حقیقت بتائی جاتی ہے کہ وہ حقیقی راز کھول کر اصل مجرموں کو پکڑوا دیتے ہیں اور اس طرح انصاف کے تقاضے بھی کہیں نہ کہیں پورے ہو جاتے ہیں۔اصل میں یہ وعدہ معاف رائٹر فیضان تھا کیونکہ اس کا مقالہ چھپنے کے بعد اخبار میں رائٹر کا اصل نام ظاہر کرنے کا مطالبہ زور پکڑ گیا تھا۔جیسا کہ ایک جگہ لکھا ہے:''اُس کے علاوہ اُس قسم کی علمی اور فکری باتیں جو فیضان مجھے سمجھانے کی کوشش کرتا تھا) حوالہ آڈیو فائل (TSM-2,3,4) قارئین اپنے خطوط میں کرنے لگے وہی وعدہ معاف رائیٹر۔وعدہ معاف اُستاد،وعدہ معاف فنکار وغیرہ وغیرہ) اور پھر تو ایک ایسا موقع آیا کہ لگتا تھا کہ وعدہ معاف دانشوری جیسے کوئی فکری تحریک کی شکل اختیار کر رہی ہے۔اس سے یہ خاص طور پر سالاروں کو بے نقاب کرنے کی کوشش تھی کیونکہ اس کو ایسا لگتا تھا کہ ان سالاروں کا کوئی بھروسا نہیں ہے اور وہ کبھی بھی اپنے حساب کتاب کے رجسٹر اور کھاتے ان سے واپس لے سکتے ہیں اور کوئی بھی سائیبر سپیس ان کے نظام کو ختم کر سکتا ہے۔لیکن اس سے پہلے خود فیضان سالار ان قوتوں کے زیر اثر آیا تھا اور فیضان سالار کو قید و بند کی صعوبتیں جھیلنا پڑیں تھیں اور کمپیوٹر اور سی ڈیز تک اس کی رسائی کو ناممکن بنا دیا گیا تھا اور دوسری طرف ذکااللہ سائیبر سپیس کی کئی منازل طے کر چکا تھا۔ایک بار جب وہ فیضان سالار کے چچازاد بھائی کی شادی میں جا کر میراثیوں اور بھانڈوں سے بار بار یہ جملہ سنتا ہے کہ:

> ....''سرکار ہم تو آپ کی جوتیوں میں بیٹھنے والے ہیں........ تو بہت پریشان ہو جاتا ہے کہ ''ان لوگوں کو جوتیوں میں بیٹھنا کیسا لگتا ہو گا! پھر اسے ایک قریب المرگ حشو نامی میراثی جس نے اس ماحول کے ایسے راز بتائے کہ

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

ذکی کے چودہ طبق روشن ہوگئے اور اسے پتہ چلا کہ ....''جوتیوں میں بیٹھنے والے جوتیاں پہننے والوں کے بارے میں کچھ ایسی گہری باتیں جانتے تھے جو کوئی دوسرا نہیں جان سکتا اور جو صرف شاید جوتیوں میں بیٹھ کر ہی جانی جاسکتی ہیں''۔(۲۲)

یہ بھی ہرگز نہ سمجھا جائے کہ ہر جانب سے فیضان سالار کی حمایت جاری تھی۔ حمایت سے کہیں بڑھ کر مخالفت شدید تھی اور مخالفین ان کی تحریروں کو الگ الگ قسم کی دشمنی قرار دیتے تھے۔ مثلاً کبّا گروپ اگر اسے الف دشمنی کہتا تھا تو فیضان کی یونیورسٹی کا ایک لٹھ بردار طلبا گروپ اسے ب۔ ج قسم کی دشمنیاں کہہ کر ان کی بھرپور مذمت کرتا تھا۔

اگر دیکھا جائے تو اس میں یہ بات سمجھانے کے لیے کافی ہے کہ اس کو وہی انسان سمجھ سکتا ہے جو پاکستان کے سیاسی، سماجی اور معاشرتی حالات سے واقفیت رکھتا ہو۔ مرزا اطہر بیگ نے اس کو بہت خوبصورتی سے اس ناول میں بیان کیا ہے اور وعدہ معاف فن کاروں کی اپنے ساتھیوں کے لیے دی گئیں رپورٹیں جو معنی رکھتی ہیں اس کے بارے میں سب جانتے ہیں اور وہ سب عیاں ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ ایک دوسرے کا پردہ فاش کیا جاسکتا ہے۔ مرزا صاحب نے ان سب کو اپنے ناول میں سمونے کی بھرپور کوشش کی ہے اور سچ بولنا اور سچ لکھنا دونوں بہت مشکل کام ہیں کیونکہ ایک طرف دیکھا جائے تو ذکی نے سالاروں کے ظلم اور ان کے کھاتے سب کمپیوٹر میں Save کر لیے اور دوسری طرف فیضان سالار بھی کبّا گروپ اور کبّا موڈ میں شامل ہو گیا تھا۔

ذکا اللہ نے سب کچھ کمپیوٹر میں Save کیا اور پھر اس ناول میں جس ماحول کی عکاسی کی گئی اور جن طبقات کو مرزا صاحب ہمارے سامنے لائے ہیں وہ معاشرے کے مکروہ چہرے ہیں۔ معاشرے کی تصویر کشی ناول نگار کو کرنی پڑتی ہے۔ اس کے بغیر تخلیقی فن سامنے نہیں آسکتا۔ معاشرے کی تصویر کشی فکشن کے فن کا لازمی جزو سمجھا جاتا ہے۔ مرزا اطہر بیگ نے مابعد جدیدیت کے اسلوب کے تحت ''صفر سے ایک تک'' ناول لکھا۔

ہمارا معاشرہ آج بھی اُسی دور میں ہے جو کہ سو سال پہلے کی روایات میں زندہ ہے۔ جہاں ایک ظالم اور دوسرا مظلوم ہے۔ جب سالاروں نے ذکا اللہ کے گھر کو تل سالار اں میں ڈاکہ ڈلوایا تھا اور ذکا اللہ کے خاندان والوں پر ظلم کیا تھا، انھیں ایک بند گلی میں چھوڑ دیا تھا اور اس کا راستہ بھی صرف سالاروں کے پاس ہی تھا۔ ان لوگوں نے ذکا اللہ کے باپ سے اپنے تمام '' لیتے'' واپس لے لیے تھے اور یہ بھی مطالبہ کیا تھا کہ ان کے متعلق تمام سی ڈیزان کے حوالے کر دی جائیں۔

مرزا اطہر بیگ کے ہاں ہمیں مطالعاتی دلچسپی نظر آتی ہے۔ ''صفر سے ایک تک'' سائبر سپیس منشی کی سرگزشت کا اختتام بھی یوں ہوتا ہے۔

زلیخا خلجی جسے برائے نام ناول کا مرکزی خاتون کردار یعنی کہ ہیروئن کہا جاسکتا ہے اور جو صرف فیضان اور ذکا اللہ کے درمیان ایک جمالیاتی پُل کی حیثیت میں زندہ ہے کہتی ہے:

''ایک بار لاہور دیکھ کر میں پیدا ہو چکی ہوں۔ اب دوبارہ دیکھنے پر کیا دوبارہ پیدا ہوں گی؟
ذکی میرا خیال ہے لاہور والوں کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ اگر ہم دوبارہ پیدا ہو جائیں۔
زلیخا خلجی ''بس تم اپنی الٹی پیدائش سے بچنا
ذکی ''تم بھی........ڈیجٹل میجک تو میرے سسٹم پر اثر کرتا ہے''۔(۲۳)

زلیخا خلجی ذکی کی صرف ایک دوست ہے اور ذکا اللہ بھی اُس سے صرف ایک دوست کی طرح اُس سے محبت کرتا ہے۔ فیضان کی زلیخا سے محبت صرف ایک واہمہ سا معلوم ہوتی ہے۔ فیضان سالاروں کے ادھیڑپن ہی میں مبتلا رہتا ہے۔

ذکا اللہ کی زندگی کا دُکھ یہ ہے کہ دنیا پھر صدمے میں آجاتی ہے۔ اپنے کام دھندے میں لگ جاتی ہے۔ لیکن میرا کام دھندہ اور کوئی نہیں ہے۔ میرا باپ مجھے دیکھ کر اتنا پریشان ہے جتنا وہ بڑی تاریک رات میں بھی نہ تھا۔ میرا بھائی اپنا سب کچھ بھول کر کئی کئی دن یہاں رہتا ہے۔ وہ خدا کی برگزیدہ ہستیوں کے مزاروں پر جاتا ہے اور سلامتی کے لیے منتیں مانتا ہے۔ سب اُسے واپس لانا چاہتے ہیں۔

پھر ایک رات میں اپنے میل اور Chat کے سب پرانے ریکارڈ پڑھتا ہوں۔ سائبر خلا میں اُس کی آواز سنتا ہوں۔ ایک دفعہ اُس نے کہا تھا: ''ذکی یہ سب ذکی کہانی میرے لیے لکھ دو''۔

اس ناول میں کسی بھی قسم کا کوئی ابہام نظر نہیں آتا اور داستان صفر سے ختم ہو کر ایک پر ہی ختم ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اس میں صدیوں سے چلا ہوا دیہی سماج ہے جس میں ظالم مظلوم، حاکم اور محکوم کی تقسیم بھی موجود ہے۔ مرزا اطہر بیگ نے جس خوبصورتی اور لسانی مہارت سے اپنی کمپیوٹر نالج کو مابعد، جدید فکشن کا حصّہ بنایا ہے وہ

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

قابل تعریف ہے۔اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔اُردو میں کسی ناول نگار نے اس طرح کے موضوع کو اپنے ناول کا حصّہ نہیں بنایا، جس خوبصورتی سے مرزا اطہر بیگ نے بنایا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ سہیل بخاری،ڈاکٹر،''اُردو ناول تاریخ و تنقید''،مکتبہ میری لائبریری،لاہور ۱۹۶۶ء،ص ۳۱

۲۔ عابد علی عابد،سید،''اصول انتقاد ادبیات''، مجلس ترقی ادب،لاہور ۱۹۴۴ء،ص ۵۰۲

۳۔ مرزا اطہر بیگ،''صفر سے ایک تک'' ،سانجھ پبلی کیشنز،لاہور ۲۰۰۹،ص ۲۸

۴۔ سلیم اختر ڈاکٹر،''تنقیدی اصطلاحات''،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور ۲۰۱۱ء،ص ۲۸۶

۵۔ مرزا اطہر بیگ،''صفر سے ایک تک'' ،سانجھ پبلی کیشنز،لاہور ۲۰۰۹ ،ص ۲۸۴

۶۔ ایضاً،ص ۳۴۳

۷۔ ایضاً،ص ۲۹۱

۸۔ ایضاً،ص ۷ ۳

۹۔ محمد یٰسین،ڈاکٹر،''ناول کا فن اور نظریہ''،خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری،پٹنہ ۲۰۰۲،ص ۴

۱۰۔ مرزا اطہر بیگ سے راقمہ کا انٹرویو بمقام لاہور،۲۲۔دسمبر ۲۰۱۳ء،ص ۲۸۵

۱۱۔ مرزا اطہر بیگ،''صفر سے ایک تک'' ،سانجھ پبلی کیشنز،لاہور ۲۰۰۹ء،ص ۲۰۷

۱۲۔ ایضاً،ص ۶۸

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ سہیل بخاری،ڈاکٹر،''اُردو ناول تاریخ و تنقید''،مکتبہ میری لائبریری،لاہور ۱۹۶۶ء ،ص ۳۲

۱۵۔ علی عباس حسینی، تلخیص، تہذیب، تعارف،اسلم عزیز دُرّانی،ڈاکٹر ''ناول اور ناول نگار''،کاروان ادب،ملتان ۱۹۹۰ء،ص ۳۷

۱۶۔ مرزا اطہر بیگ،''صفر سے ایک تک'' ،سانجھ پبلی کیشنز،لاہور ۲۰۰۹ء ،ص ۱۵۶-۱۵۷

۱۷۔ ایضاً،ص ۲۸۴

۱۸۔ ایضاً،ص ۳۹۰

۱۹۔ عارف وقار،''صفر سے ایک تک ایک تجزیہ''،مشمولہ قومی زبان،شمارہ ماہ دسمبر ۲۰۱۰ء،ص ۱۱

۲۰۔ مرزا اطہر بیگ،''صفر سے ایک تک'' ،سانجھ پبلی کیشنز،لاہور ۲۰۰۹ء ،ص ۹ ۴

۲۱۔ ایضاً،ص ۳ ۲-۲۲۔

۲۲۔ نادیہ حفیظ،مرزا اطہر بیگ سے انٹرویو بمقام لاہور ۲۲۔دسمبر ۲۰۱۳ء

۲۳۔ مرزا اطہر بیگ،''صفر سے ایک تک'' ،سانجھ پبلی کیشنز،لاہور ۲۰۰۹ء،ص ۳۹۲